www.khanqah.in

Visit us at: www.khanqah.in

ہفتہ وار

مبلغ

اشاعت کا چودھواں سال
14th year of Publication

The Weekly **MUBALLIG**
Srinagar Kashmir

سرینگر کشمیر

قیمت صرف 3 روپے

26/اپریل 2013ء جمعۃ المبارک 15 جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ جلد نمبر: 14 شمارہ نمبر: 15

حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ چھِ فرماوان:

داندَس وَندِ پھل گاسہِ پال نَس
سوۂنتہِ رٔتھ گنڈنَس مٹو
ہِیہِ تھُر پٹھ گاسہِ لوو زال نَس
ہوکُرِتھ تُلہِ نَس مُرہ نَس لٹو

بیل کو آب ودانہ اور چارہ وگھاس کھلا کھلا کر سرما میں اسی لئے پالا جاتا ہے تا کہ بوائی کے وقت زمین جوتنے کے کام آئے، اگر بیل دانہ وچارہ کھا کر فصل بونے کے وقت نا کارہ ثابت ہوا تو اس کی پیٹھ پر بھی گھاس جلائی جائے گی اور دُم مروڑ مروڑ کے عذاب دیا جائے گا۔

ضروری گذارش: محترم قارئین کرام! یہ اَخبار عام اخباروں کی طرح نہیں ہے، اسلئے اس کا اَدب واحترام ہمیشہ قارئین پر واجب ہے۔ مدیر

عصرِ حاضر اور ہماری تعلیم کا رُخ

محمد طالب رحمانی

وہ پڑھا لکھا آدمی جو زمانے کی رفتار پہ نظر رکھتا ہے، جو اس کے نشیب وفراز سے واقف ہے، جس نے قوموں کے عروج وزوال کی کہانی پڑھی ہے، جس نے تہذیب وتمدن کے بننے بگڑنے اور اسکی بلندی وپستی کا مطالعہ کیا ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ آج دُنیا کی مجموعی حالت کیا ہے؟ آج کی دُنیا سائنس اور ٹیکنالوجی کی دُنیا کہی جاتی ہے، اور سمجھا جاتا ہے کہ انسان ترقی کرتے کرتے اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے، پھر اس سائنس وٹیکنالوجی نے انسان کیلئے وہ سامان آسائش وآرام بھی مہیا کردیا ہے جو کبھی انسانوں کے خیال میں بھی نہ رہا ہوگا، امریکہ ویورپ کی موجودہ تہذیبوں کو ترقی یافتہ تہذیب سمجھا جاتا ہے اور اس کے خلاف کہنے اور لکھنے والے رجعت پسند اور دقیانوسی تصور کیئے جاتے ہیں۔

لیکن ترقیوں اور تہذیبوں کے ان بظاہر دلفریب پردوں کے پیچھے ظلم وبربریت اور استحصال (Exploitation) وناانصافی کا وہ بھیانک نقشہ ہے جو انسانیت کو موت کی نیند سلا دینے کی آخری کوششوں میں مصروف ہے، آج کی اس متمدن (Civilized) دُنیا کو اگر آپ قریب سے دیکھیں گے تو تڑپتی ہوئی انسانیت، روتا بلکتا ہوا اخلاق اور آخری سانسیں لیتی ہوئی شرم وحیا آپ کا دِل دہلا دینے کیلئے کافی ہوگی، بھیڑیوں سے بدتر سلوک جو انسان انسان کے ساتھ کررہا ہے، بے رحمی اور سنگ دِلی ایسی جو کبھی دَورِ وحشت میں بھی نہ ہوگی، وسائل نشر واشاعت کے زور پر انسان کے دِلوں میں نفرت، بغاوت، کذب اور فساد کے بیج بوئے جارہے ہیں، اور پوری انسانیت بے بسی کی حالت میں ادھر ادھر دیکھ رہی ہے، مادی ترقی نے روحانی سکون چھین لیا ہے، کیا انسانیت مادہ پرستی کی گود میں سِسک سِسک کر دم توڑ دے گی؟ یا روشنی کی کوئی کرن نمودار ہوگی اور روشنی کی کوئی کرن قوموں کا اصل سرمایہ ہے اور قوموں کا اصل سرمایہ اس کی نئی نسل ہو تی ہے، خصوصیت کے ساتھ نئی نسل کا وہ طبقہ جسے علم حاصل کرنے کا موقع مل جائے، یہی طالب علموں کا طبقہ ہے، اس سے قوموں کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے، اسی سے انسانیت کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے، ہم اگر اپنے ملک کے طلبہ کا جائزہ لیں تو روح کانپ اُٹھے، اسکول سے یونیورسٹی تک تعلیم گاہوں کا حال سب کھلا ہے، طلبہ کی اخلاقی حالت انتہائی افسوسناک ہے، امتحانات میں نقل، کاپیوں اور پریکٹکل میں پیروی، رشتے داروں اور قریب کے لوگوں کو بہترین نمبرات دینا بالکل عام بات بن چکی ہے، نظم وضبط کی خرابی جیسے ناقابل اصلاح بن چکی ہے، ہنگامے، توڑ پھوڑ، مظاہرے، بھوک ہڑتال، گھیراؤ، سیاسی تقریریں، اب پڑھائی لکھائی، اَمن وسکون اور ادب واحترام کی جگہ لے چکی ہیں، طلبہ کی دلچسپیاں اب لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ، استادوں کی بے عزتی اور فحش لٹریچر کے مطالعہ تک محدود ہوگئی ہیں، اور مسلم طلبہ کا حال بھی عام طلبہ سے کچھ مختلف نہیں ہے، مسلم طلبہ ہونے کی حیثیت سے کوئی امتیاز ان میں نہیں پایا جاتا، بلکہ اس حیثیت سے تو ان کی حالت اور بھی خراب ہے، ایک طرف امت مسلمہ کی داعیانہ پوزیشن، دوسری طرف اس امت کے مسائل اور اس سے بڑھ کر اس کی بقاء کا مسئلہ مسلم طلبہ ونوجوانوں کیلئے ایک کھلا چیلنج ہیں، مگر اب لگتا ہے کہ انہوں نے ایک غافل اور احساس ذمہ داری سے عاری گروہ کی طرح جینے کا فیصلہ کرلیا ہے، ان کی صلاحتیں اور قابلیتیں غلط راہوں میں صَرف ہورہی ہیں، اور ان کا خون تحریک الحاد کے شعلوں میں جل رہا ہے، دنیا کو سہارا دینے والے اور اونچا اُٹھانے والے لوگ خود ہی بیساکھیوں کے محتاج ہوگئے ہیں۔

مسلم طلبہ بھی بے دینی اور نام نہاد جدیدیت (So called Modernism) کے سمندر میں غوطہ زن ہوگئے اور خود ان کے بحر کی موجوں میں کوئی اضطراب نہ آیا۔

عام طلبہ کی طرح اُنہیں بھی اپنے نصب العین اور مقصد حیات کی کوئی فکر نہیں، ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں بیکار کاموں میں برباد ہورہی ہیں، ان کے سامنے ان کا نصب العین بھی روٹی کے چند ٹکڑے اور نوکری کی چند کرسیوں تک محدود ہوگیا ہے، موجودہ صورت حال میں جب کہ طلبہ کے اندر سے احساس ذمہ داری رخصت ہوچکی ہے اور انہیں خود اپنی منزل کا صحیح علم نہیں ہے، یہ توقع بے معنی ہی ہے کہ وہ تعلیم کے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کریں گے، اور ان پر یہ حقیقت کھل سکے گی کہ اسلام کے نزدیک تعلیم کے مقاصد کیا ہیں؟ اتنی بات ہم جانتے ہیں کہ تعلیم کے ذریعہ معاشرہ اس سرمایہ کو اپنی نئی نسل تک منتقل کرنا چاہتا ہے، جو اب تک اس نے جمع کیا ہے اس طرح نئی نسل اپنے عقائد، نظریات، تہذیبی روایات اور سائنسی وسماجی ارتقا سے متعارف ہوتا ہے اور پھر اس میں اضافہ کرتی ہے اور اسے پروان چڑھاتی ہے، پھر ہر نظام تعلیم کا ایک ہدف یا نشانہ ہوتا ہے، اسلامی نظام تعلیم کا نشانہ ایسے معیاری انسان پیدا کرنا ہے جو اپنے اخلاق وکردار سے معاشرہ کو متاثر کرسکیں اور اس کی صحیح رہنمائی کرسکنے کے اہل ہوں اور اس طرح وہ زمین پر خدا کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری ادا کرسکیں، اس کیلئے سب سے پہلے تو قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا ضروری ہے وہ علم جو زندگی گزارنے کے اسلامی ضابطہ حیات کا علم ہے، جسکا حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا اور جس کے بغیر علم نامکمل ہے اسکے بعد سائنس وسماجیات کا علم ہے اسکا حاصل کرنا بھی اسی طرح ضروری قرار دیا گیا۔

قرآن شریف میں اللہ کا ارشاد ہے کہ ”دنیا میں اپنا حصہ مت فراموش کرو“ رسول عربی ﷺ کا قول ہے کہ ”نماز کے بعد سب سے بڑا افریضہ رزق حلال کمانا ہے“۔ پس صرف دنیاوی اور مادی فائدوں کے حصول کا علم مکمل علم نہیں ہے، قرآنی تعلیم کے بغیر زندگی کا سکون وطمانیت سے ہمکنار نہیں ہوسکتی، ہماری تعلیم میں ایسا توازن ہونا چاہیے کہ ہم دین ودنیا دونوں کا علم حاصل کریں، جہاں ایک طرف معاشی مسائل کا حل ہو وہیں دوسری طرف ہمیں رہنے سہنے کا ڈھنگ آجائے، حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز پیدا ہوجائے، ہمیں یہ معلوم ہو کہ ہماری انفرادی، سماجی، قومی اور بین الاقوامی زندگی کس طرح ہو، اس وقت اس بات کی سخت ترین ضرورت ہے کہ مسلم طلبہ قرآنی علوم حاصل کرنے پر بھی وقت صَرف کریں اور جدید علوم میں بھی تفکر وتحقیق کریں، پرانے محققین ومفکرین ومنکرین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا، دنیا اب بہت آگے بڑھ گئی ہے اسکو اب اُلٹے پاؤں ان منازل کی طرف واپس لے جانا ممکن نہیں ہے جن سے وہ چھ سو برس پہلے گذر چکی ہے، علم وعمل کے میدان میں رہنمائی وہی کرسکتا ہے جو دنیا کو آگے کی جانب چلائے نہ کہ پیچھے کی جانب، لہٰذا اب اگر اسلام دُنیا کا دوبارہ رہنما بن سکتا ہے تو اس کی بس ایک ہی صورت ہے کہ مسلمانوں میں مفکر ومحقق پیدا ہوں، جو فکر ونظر اور تحقیق واکتشاف کی قوت سے ان بنیادوں کو ڈھادیں جن پر مغربی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی ہے

یاد رکھیئے اچھے مسلمان ہوکر ہی آپ ایک اچھے انجینئر، ایک اچھے ڈاکٹر، ایک اچھے سائنسدان، ایک اچھے ماہر تعلیم اور ایک اچھے انسان بن سکتے ہیں، شاید آپ کو یہ بات عجیب وغریب معلوم ہو، کیونکہ علم دین کی کمی کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں دین اسلام کا تصور ہی بگڑ کر رہ گیا ہے، دینداری کا جو بچا کھچا تصور اب ہمارے ذہنوں میں رہ گیا ہے وہ یہ کہ ایک آدمی خاص شکل وصورت اور وضع وقطع کا ہوجائے، (یعنی کرتا پاجامہ اور ٹوپی) پہن لینے اور اس دار فانی سے بے رغبت ہوکر ذکر وفکر میں مشغول ہوجائے یا پھر یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی ہے کہ نماز روزہ تک ہی پورا اسلام محدود ہے حالانکہ دینداری کا یہ تصور صرف غلط فہمیوں اور اسلام سے ناواقفیت کا مظہر ہے، پھر دنیا نے بھی اس سے یہی بات سمجھ لی کہ اسلام پر عمل کرنے والا نہ سائنسی ایجادات سے واقف ہوگا اور نہ اسے دُنیا کا جغرافیہ آتا ہوگا، تہذیب وتمدن اور سیاست ومعیشت کے مسائل سے تو وہ میلوں دور ہوگا اور اسی لئے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلامی نظام صنعتی ومادی ترقی کو اخلاقی ترقی کے ساتھ جاری کرے گا، اس بیان کی دلیل//

بقیہ صفحہ 6 پر..........

صیہونیت: ایک شیطانی جھوٹ

ایک یہودی مذہبی رہنما کی صاف گوئی

انٹرویو: مسٹر یسرویل (یہودی حاخام) ترجمہ: مولانا سید وسیم احمد ندوی

ایک امریکی ٹی وی چینل کے پروگرام میں نشر کنندہ Neil Cavut نے اپنے ٹی وی پروگرام میں صیہونیت مخالف یہودی گروہ کے مذہبی رہنما (جسے یہودیوں کے یہاں حاخام کہا جاتا ہے) Yisroelweiss کا انٹرویو لیا ہے۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق یہ دنیا کا اہم ترین انٹرویو ہے، جسے ٹی وی چینل نے نشر کیا ہے، دو وجوہ سے یہ انٹرویو انتہائی اہمیت کا حامل ہے، ایک تو یہ کہ اس انٹرویو میں خود یہودیوں کے ایک مذہبی رہنما کی جانب سے ببانگ دہل صیہونیت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی پیشین گوئی کی جارہی ہے، انٹرویو کے دوران یہودی مذہبی رہنما (حاخام) نے برملا اعلان کیا کہ صیہونیت عنقریب شکست وریخت سے دوچار ہوجائے گی، اسلئے کہ تورات کی تعلیمات کی رو سے صیہونیت کا قیام حرام ہے۔ نیز صیہونی وجود سارے انسانوں حتیٰ کہ خود یہودیوں کیلئے فساد کی بنیاد پر ہے۔ اس انٹرویو کی اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسے امریکہ کے مشہور نیوز چینل فوکس نے نشر کیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی عداوت کیلئے کافی شہرت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے یہودی مذہبی رہنما کا یہ انٹرویو خود دشمنوں کی جانب سے اعتراف کے مماثل ہے، انٹرویو دینے والا اور انٹرویو نشر کرنے والا ادارہ دونوں نہ اسلام کے حامیوں میں سے ہیں اور نہ ہی فلسطینیوں کے حامی ہیں بلکہ دونوں مسلمانوں اور فلسطینیوں کے دشمن کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

یہودی مذہبی رہنما (حاخام) یسرویل ویسی نے اپنے انٹرویو کے دوان انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ صیہونیت کے قیام نے واضح طور پر اور صریح الفاظ میں اس شیطانی جھوٹ کو غلط قرار دیا جس نے دنیا کے تعلق سے اچھے عزائم رکھنے والوں کو اَب تک دھوکہ میں ڈال رکھا تھا اور خود کو یہودی مملکت قرار دینے والی انتہائی بدطینت اور مکروہ حکومت کے تعاون کے سلسلہ میں انہیں مطمئن کردیا ہے۔ یہودی مذہبی رہنما یسرویل ویسی کہتے ہیں کہ اسرائیل اور صیہونیت نے ہر چیز کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، یہودیوں میں غیر یہود صیہونی سازشوں کے نتیجہ میں بگاڑ ساریت کرچکا ہے۔ ویسی مزید کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا نقطہ نظر ہے جس پر گذشتہ سو سال سے اتفاق ہوتا آرہا ہے، جب سے یہودیت کو ایک روحانی مذہب سے نکال کر قومی مفادات پر مذہبی مادی فکر میں تبدیل کردیا گیا جس کا مقصد صرف کچھ زمین کا ٹکڑا حاصل کرنا ہے۔ اسی وقت سے اس پر سب کا اتفاق ہے، یہ بھی اتفاق ہے کہ صیہونیت سارے عالم انسانی کے فساد کی جڑ ہے تمام یہودی دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قسم کی صیہونیت چاہی جارہی ہے وہ یہودی مذہب کے سراسر منافی ہے کسی دوسرے کی زمین پر صیہونی مملکت کا قیام تورات کی تعلیمات کے خلاف ہے تورات میں ہم یہودیوں کی جلاوطنی کی زندگی مقدر کردی گئی ہے، منشاء خداوندی کے مطابق ہمیں جلاوطنی کی زندگی گزارنی ہے اسکے برخلاف صیہونی قائدین یہودیوں کیلئے جس مملکت کے قیام کی باتیں کررہے ہیں وہ تورات کی تعلیمات کے بالکلیہ منافی ہے انٹرویو کو اس اہمیت کے پیش نظر ذیل میں اس کے اقتباسات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

سوال: اگر آپ لوگوں کیلئے کوئی مستقل مملکت ہو تو اس میں کیا حرج ہے اور یہودی مملکت میں کیا چیز مانع ہے؟

جواب: ہمارے لئے مستقل مملکت کا نہ ہونا مذہبی لحاظ سے ضروری ہے ہم یہودیوں کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہم دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل جائیں یہودی گذشتہ دو ہزار سال سے زائد عرصہ سے دنیا کے مختلف ملکوں میں مخلص شہری کی حیثیت سے زندگی گزارتے رہے اس عرصہ میں ان کا کام اللہ کی عبادت کرنا تھا اور وہ ربانی رحمت سے متصف تھے، لبنان میں لڑی گئی جنگ کو عام یہودی مذہبی جنگ خیال کرتے ہیں جب کہ اس جنگ کا یہودی مذہبی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے سابق میں ہم یہودی عرب اور غیر عرب معاشروں میں برسوں تک زندگی گزارتے رہے ہمارے لئے نہ اقوام متحدہ کے نگرانی کی ضرورت پیش آئی اور نہ ہی کسی فوج کی حاجت ہوئی۔

سوال: آپ اجازت دیں تو آپ سے یہ پوچھنا ہوں گا کہ یہودی اسرائیلی مملکت کے قیام سے پہلے اچھی زندگی گزارتے تھے یا قیام کے بعد اچھی زندگی گزار رہے ہیں؟

جواب: ہاں صد فیصد یہ بات درست ہے کہ ہماری یہودی مملکت سے پہلے والی زندگی بہتر تھی اس کا اعتراف فلسطین میں آباد یہودیوں نے بھی کیا ہے اور دنیا کے دیگر ملکوں کے یہودی بھی اس کی گواہی دیتے ہیں کہ مملکت کے قیام سے پہلے یہودی ہر جگہ خود فلسطین میں بھی دوسروں کے ساتھ مکمل ہم آہنگی سے رہا کرتے تھے ہمارے پاس دستیاب یہودی دستاویزات کے مطابق یہودیوں نے اقوام متحدہ سے کبھی اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما نے القدس شہر میں کہا تھا کہ ہمیں یہودی مملکت نہیں چاہیے لیکن جب اسرائیل کے قیام کی قرارداد منظور کی جارہی تھی تو اس وقت علاقہ کے یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو بالکلیہ نظر انداز کردیا گیا۔

سوال: یہ صحیح ہے کہ سابق میں یہودیوں کا مستقل وطن نہیں تھا اور آپ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، لیکن یہ جلاوطنی بھی ایسی تھی کہ گذشتہ ہزار برسوں میں آپ لوگ شدید ظلم کا شکار رہے بالخصوص پچاس ساٹھ سال قبل آپ کے ساتھ جو حالات پیش آئے وہ انتہائی ناگفتہ بہ تھے اس اس تعلق سے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جواب: سامیت سے عداوت کے نتیجہ میں زبردست قتل وغارت گری مچی، لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہے وہ یہ کہ یہودیوں کے خلاف یہ عداوت دراصل صیہونیت کی وجہ سے پیدا ہوئی، بالفاظ دیگر یہودیوں سے عداوت یوں ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کا سبب ہے، آپ جب خود ہی دوسروں کا دروازہ کھٹکھٹا کر عداوت کر دعوت دیں گے تو پھر وہ کیوں کر عداوت نہ کریں۔

سوال: جہاں تک میں جانتا ہوں، آپ آرتھوڈکس یہودی ہیں، آپ کے اس موقف کے تعلق سے روایتی یہودی کیا رائے رکھتے ہیں؟ کیا ان کا بھی یہی موقف ہے کہ یہودیوں کی کوئی مستقل مملکت نہیں ہونی چاہیے؟

جواب: یہودیوں کی اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ہماری کوئی مستقل مملکت نہیں ہونی چاہیے، لیکن اسکے باوجود یہودی مملکت قائم ہوگئی، عربوں کے تعلق سے صیہونی یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ عرب دنیا میں بسنے والے ہر یہودی کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ عربوں کے سینوں میں یہودی کے خلاف شدید عداوت پائی جاتی ہے لیکن ایسی بات نہیں ہے۔

سوال: یہ صحیح ہے، لیکن آپ انہیں برا بھلا نہیں کہہ سکتے، بعض لوگ یہودیوں کے تعلق سے غیر ضروری دعویٰ کرتے ہیں مثلاً ایران کے صدر احمد نژاد کا کہنا ہے کہ ہٹلر کے مظالم کے واقعات میں کوئی صداقت نہیں ہے، احمد نژاد نے مزید کہا کہ اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں اسرائیل کو تباہ کردیتا اور سارے یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا۔

// بقیہ صفحہ 7 پر......

تاریخی کالم

اسلام سے قبل کی سلطنتیں ۔ 1

فارس کی ساسانی سلطنت: آتش پرست پارسیوں کی یہ سلطنت فارس (پارس) کرمان، مکران، خراسان، سیستان، آذربائیجان، آلسواد اور الجزیرہ (عراق)، کردستان وغیرہ پر مشتمل تھی۔ اصطخر، شیراز، ہواز، نہاوند، ہمدان، مدائن (طیسفون) اور موصل اس کے شہر مشہور تھے۔

ساسانی خاندان کا سب سے مشہور حکمران نوشیروان عادل (متوفی 579ء) تھا، جس کے عہد میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت ہوئی، نوشیروان کے پوتے خسرو پرویز کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعوت اسلام دی مگر اس نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نامہ مبارک چاک کردیا، اس کے بعد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیشین گوئی کے مطابق ساسانی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سلطنت فارس کا دارالحکومت مدائن فتح ہوگیا، آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد شاہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مارا گیا۔

بازنطینی سلطنت: اسے مشرقی رومی سلطنت یا صرف ''روم'' بھی کہتے ہیں، اس کا دارالحکومت قسطنطنیہ (قدیم بیزنطیم) تھا اور ایشائے کوچک، شام، فلسطین، مصر وغیرہ اس میں شامل تھے۔ انطاکیہ، حلب، حماۃ، حمص، دمشق، بیروتس، طرابلس الغرب، قلزم، یروشلم (القدس) اسکندریہ، عین الشمس (ہیلیو پولس)، افسوس، طرابلس، الشام، ایلہ، قیصاریہ وغیرہ سلطنت روم کے قابل ذکر شہر تھے۔ سلطنت روم جس کا پہلا دارالحکومت روم (اٹلی) تھا، دراصل بحیرۂ روم کے اردگرد کے علاقوں پر محیط تھی، اس نسبت سے یہ سمندر بحیرۂ روم کہلاتا ہے، اگرچہ اسے بحیرۂ شامی، بحیرۂ کبیر اور بحیرۂ متوسط بھی کہا جاتا ہے، بحیرۂ متوسط (Mediterranean) نام اس وجہ سے پڑا کیونکہ یہ سمندر اس وقت کی معلوم دنیا یعنی براعظم ایشیا، براعظم یورپ اور براعظم افریقہ کے وسط میں واقع تھا۔ Medi بمعنی وسط اور Terra کے معنی ہیں، زمین، اور ان کے ملاپ سے Mediterranean مشہور ہوا۔

سلطنت کِندہ: یہ اندرون عرب کی ایک وسیع سلطنت تھی جو جنوبی عرب (حضرت موت) اور یمن سے لے کر شمال میں دومۃ الجندل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے مشرق میں یمامہ، شمال مشرق میں مناذرہ (لخمی قبائل کا علاقہ) شمال میں غساسنہ اور مغرب میں مختلف عرب قبائل کے علاقے حجاز اور عسیر واقع تھے۔ کِندہ کا دارالحکومت الفاؤ تھا جو سلطنت کندہ کے جنوب مغرب میں عسیر کی سرحد کے قریب تھا۔ آج بھی الفاؤ سعودی عرب کا مشہور قصبہ ہے۔ سلطنت کندہ میں طے، ثعلبہ، غطفان، ہلال، سعد، جُدیلہ، ہوازن اور ہذیل کے قبائل اور نجد کا علاقہ شامل تھے۔ تیماء اور دومۃ الجندل کے شہر بھی سلطنت کندہ میں واقع تھے۔ دارالحکومت الفاؤ جو نجران سے تقریباً 180 کلومیٹر شمال مشرق میں اور ریاض سے تقریباً 700 کلومیٹر جنوب مغرب میں ہے، اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جسے یمن اور حضرموت سے یمامہ، خلیج اور شام جانے والے قافلے استعمال کرتے تھے۔ امرؤالقیس اسی علاقے کا شاعر تھا۔ 1972 میں جامعہ الریاض کی ایک ٹیم نے الفاؤ کے کھنڈر دریافت کیے جن میں بازار، شاہی قصر، معبد اور بڑی آبادی کے آثار شامل ہیں۔

مناذرہ: یہ جنوب میں یمامہ سے لے کر شمال میں دریائے فرات کے ساتھ ساتھ لخمیوں کا علاقہ تھا، جس کے شمال مغرب میں غساسنہ اور مغرب میں کندہ کی سلطنت تھی۔ یمن اور بحرین کی طرح مناذرہ بھی فارس کی ساسانی سلطنت کے ماتحت تھا۔ عہد نبوی میں یہاں نعمان بن منذر حکمران تھا۔ اس میں لخم، بنوشیبان اور تنوخ (مسیحی) اور تمیم اور بکر بن وائل بت پرست قبائل آباد تھے، مناذرہ کا دارالحکومت حیرہ تھا جو دریائے فرات کے مغرب میں اور نجف کے جنوب میں واقع تھا، عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ فتح کرلیا تو نعمان بن منذر مدائن بھاگ گیا۔ (جاری)

www.khanqah.in

www.khanqah.in

ہفتہ وار
مبلغ
سرینگر کشمیر

26/اپریل 2013ء جمعۃ المبارک

کیا آپ حقیقتاً صاحبِ اولاد ہیں؟

اگر آپ خود صاحبِ اولاد ہیں یا آپ کے کسی عزیز یا دوست کی اولاد آپ کی نگرانی میں ہے تو آپ نے کبھی اُن کی تربیت کے طریقوں پر غور فرمایا ہے؟ آپ نے کبھی اندازہ کیا ہے کہ اس سے کتنی اہم ذمہ داریاں آپ پر عائد ہوتی ہیں؟ اور یہ کہ آپ ان ذمہ داریوں کو کس حد تک پورا کر رہے ہیں؟ ان بچوں کی آئندہ زندگیوں کا بننا یا بگڑنا، سنورنا یا اجڑنا، ایک بڑی حد تک آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر بچہ دُنیا میں فطرتِ سلیم کے ساتھ قدم رکھتا ہے، اس کو سیدھی راہ سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈالنے والے عموماً اس کے ماں باپ اور پرورش کرنے والے ہی ہوتے ہیں، نہ ہو کہ آپ کا دامنِ تربیت اس حیثیت سے داغدار نکلے۔ ذرا سوچ لیجئے کہ کہیں خدانخواستہ آپ کی غفلت و بے توجہی، آپ کی فرد اعمال میں اسی جرم کے عنوان کا اضافہ تو نہیں کر رہی ہے!!؟

کیا ’’اچھی تربیت‘‘ انتہائی سختی کے مرادف ہے؟ کیا یہ مقصد یوں پورا ہو سکتا ہے کہ بچوں کے دِلوں پر حد سے زیادہ رعب وخوف طاری کر دیا جائے اور انھیں گویا بالکل بے دست وپا بنا دیا جائے؟ پھر کیا ضرورت سے زیادہ دُلار اور پیار مفید ہوگا؟ کیا اچھی تربیت کی غرض یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنے تئیں بالکل بچوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور ان کی ہر ضد کو بلا روک ٹوک پورا کرنا ضروری سمجھ لیا جائے؟ تجربہ اس نتیجہ تک پہنچانے کیلئے بالکل کافی ہے کہ یہ دونوں طریقے افراط وتفریط پر شامل اور راہِ حقیقت سے دور ہیں، بچوں کی تربیت سے متعلق سب سے پہلا اور سب سے پچھلا جو فرض ایک مسلمان مربّی پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انھیں بہترین مسلم بننے کی راہ پر لگائے، کہ بڑے ہو کر ان کا شمار اُمتِ اسلامیہ کے قابلِ فخر فرزندوں میں ہو، وہ خدا کے بہترین بندے ثابت ہوں، ان کے عقیدے دُرست ہوں، ان کے اعمال صالح ہوں، اور دینی ودُنیوی ہر قسم کی فلاح وبرکت ان کے حصے میں آسکے، اب آپ اپنی جگہ پر سوچئے کہ آپ اپنے زیرِ نگرانی بچوں کی تربیت اسی اصول اور اسی مقصد کیلئے کر رہے ہیں؟

آج ہمارے شُرفاء کے بچوں کی عام تربیت کا کیا حال ہے؟ جن بزرگوں کو اپنی شرافت خاندانی پر بڑے دعوے ہیں، وہ مہربانی کر کے یہ دیکھیں کہ اپنے خردوں کو وہ کس ڈھرّے پر لگا رہے ہیں؟ کتنے بچے ایسے ہیں جن کے دِلوں میں خدائے اسلام ورسول اسلامؐ کی محبت پیدا کی جاتی ہے؟ کتنوں کے ذہن میں اصول اسلام کی وقعت جاگزیں کی جاتی ہے؟ کتنوں کے دماغ قرآن کے معنی ومفہوم سے روشن کئے جاتے ہیں؟ کتنوں کے سامنے انسان کامل کی زندگی بطور مکمل نمونے کے پیش کی جاتی ہے؟ کتنوں کے دلوں میں صدیقؓ وفاروقؓ، عثمانؓ وعلیؓ، حسنؓ وحسینؓ کے نقش قدم پر چلنے کی اُمنگ پیدا کی جاتی ہے؟ کتنوں کے سینوں میں خدمت خلق اور ہمدردی کی پرورش کی جاتی ہے؟ کتنوں کو بتایا جاتا ہے کہ غیروں کی غلامی ان کیلئے شرمناک وباعث ننگ ہے؟ کتنوں کو خودداری وخوداعتمادی کا دَرس دیا جاتا ہے؟

صورتِ حال عموماً ہر جگہ اس کے برعکس ہی نظر آئے گی، خدا کی غلامی کے بجائے سرکار کی غلامی کی آواز روزِ اوّل سے کانوں میں پڑنے لگتی ہے، ساری کوششوں کا مرکز پہلے دِن سے ’’نوکری‘‘ کو قرار دے دیا جاتا ہے، غیروں کا ٹھہرایا ہوا نصاب، بیگانوں کی بنائی ہوئی کتابیں، اجنبیوں کے بتائے ہوئے قانون وقاعدے بس انھیں پر وقت پیدائش سے ہمارے بچوں کی ذہنی وقلبی نشوونما لگتی ہے، اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا باعثِ ننگ سمجھا جاتا ہے، بازار سے سودا خرید کر لانا شرافت کے منافی قرار پاچکا ہے۔ ایثار وتحمل کو ہماری عزت گوارا نہیں کر سکتی۔ کاشتکاری اور چھوٹے پیمانہ پر تجارت کرنا، باپ کے نام کو بٹہ لگانا ہے۔ ایک طرف خدا کے قانون توڑنے میں یہ جرأت وبے باکی اور دوسری طرف یہ شور وفریاد ہے کہ مسلمان ہر طرح ذلیل وخوار ہیں، مٹ چکے ہیں، اور مٹتے جاتے ہیں!!!

جواھر القرآن

سورۂ مجادلہ (۱ تا ٦)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ان آیات کا سبب نزول جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ عورت جس کا ذکر اس آیت میں ہے وہ حضرت اوس ابن الصامتؓ کی بیوی خَولہ بنت ثعلبہ ہیں، جن کے شوہر نے ان سے ظہار کر لیا تھا، اور یہ اس کی شکایت کیلئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حق تعالیٰ نے اس کو یہ عزت بخشی کہ اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ان میں صرف ظہار کا حکم شرعی اور اس کی تکلیف دور کرنے کا انتظام ہی نہیں فرمایا، بلکہ اس کی دلداری کیلئے شروع کلام میں فرمایا کہ ہم اس عورت کی باتیں سن رہے تھے، جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے مجادلہ کر رہی تھی، مجادلہ سے مراد وہ جھگڑا جس سے مراد ایک مرتبہ جواب دیدینے کے باوجود اپنی تکلیف کو بار بار بیان کر کے آپ کو متوجہ کرنا ہے، اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب اُن کو یہ جواب دیا کہ تمہارے معاملہ میں مجھ پر کوئی حکم اللہ کا نازل نہیں ہوا تو اس پر غم زدہ کی زبان سے یہ نکلا کہ یوں تو آپ پر ہر چیز کے حکم نازل ہوتے رہتے ہیں میرے بارے میں کیا ہوا کہ وحی بھی رُک گئی؟ (قرطبی) اور اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کی وَتشتکی اِلَی اللہ اس پر حق تعالیٰ یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں پاک ہے وہ ذات جس کا سماع تمام آوازوں کو محیط ہے، ہر ایک کی آواز سنتا ہے میں اُس وقت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس موجود تھی، جب خَولہ بنت ثعلبہ اپنے شوہر کی شکایت بیان کر رہی تھیں، مگر اتنے قریب ہونے کے باوجود ان کی بعض باتیں نہ سن سکی تھی، مگر حق تعالیٰ نے اُن سب کو سنا اور فرمایا قد سمع اللہ......۔ (بخاری، ابن کثیر)

’’الّذین یظّهرون..........‘‘ یُظاہرون، ظہار بکسرِ ظاء سے مشتق ہے، جو بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی ایک خاص صورت کیلئے بولا جاتا ہے، اور زمانہ اسلام سے پہلے رائج ومعروف ہے، وہ صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو یہ کہہ دے اَنتِ علَیَّ کَظَہرِ اُمّی، یعنی تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ اس موقع پر پشت کا ذکر شاید بطور کنایہ کے ہے، کہ اصل مراد تو بطن تھا کر پشت کر دیا۔ (کما ذکرہ القرطبی)

اصطلاح شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرماتِ اَبدیہ، ماں، بہن بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کیلئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اسکی ایک مثال ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کیلئے بولا جاتا تھا اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا کیونکہ طلاق کے بعد تو رجعت یا نکاح جدید ہو کر پھر بیوی بن سکتی ہے، مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہو کر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہ تھی۔ (جاری)

اَدعِیۃ الرسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

فکرمندی اور غم کے وقت کی دُعائیں

۱۔ ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ، نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ، مَاضٍ فِیْ حُکْمُکَ، عَدْلٌ فِیْ قَضَآؤُکَ اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ ھُوَلَکَ، سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ، اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْعَلَّمْتَہٗ اَحَداً مِنْ خَلْقِکَ، اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ، وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجَلآءَ حُزْنِیْ وَذَھَابَ ھَمِّیْ‘‘

(احمد: ۱/۲۹۱، البانی نے اسے صحیح کہا ہے)

اے اللہ، یقیناً میں تیرا بندا ہوں، اور تیرے ہی بندے اور تیری ہی کنیز کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، جاری وساری ہے مجھ میں تیرا ہی حکم مبنی پر انصاف ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ، میں تیرے اس خاص نام کے ذریعے سے تجھ سے درخواست کرتا ہوں جو تو نے خود نام رکھا ہے اسکے ساتھ اپنا یا نازل فرمایا ہے اسے اپنی کتاب میں یا سکھایا ہے اسے تو نے اسے کسی کو اپنی مخلوق میں سے یا خاص کیا ہے تو نے اس کو علم غیب میں اپنے پاس (رکھنے کو) (میں درخواست کرتا ہوں) یہ کہ بنا دے تو قرآن مجید کو بہار میرے دل کی، اور نور میرے سینے کا، اور علاج میرے غموں کا اور خاتمہ میرے فکروں کا۔

۲۔ ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْمُخلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلْبَۃِالرِّجَالِ‘‘ (بخاری حدیث: ٦٢٦٩)

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں تیرے ذریعے سے پریشانی اور غم سے اور عاجز ہو جانے اور کاہلی سے اور بزدلی سے بخل سے، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تسلّط سے۔

حُسنِ عَمل یا اَعمالِ صالِحہ

حافظ مشتاق احمد۔ کولگام

حسن عمل یا بالفاظ دیگر اعمال صالحہ والی زندگی اختیار کرنا حق تعالیٰ شانہ نے انسانی زندگی کا مقصد حسن عمل ہی قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے: ''الّذِیْ خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً'' جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ یعنی موت وحیات کا یہ سارا سلسلہ اسلئے ہے کہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے اور کون اچھے سے اچھے۔

یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ انسان کی آزمائش میں جو اس کی موت وحیات سے وابستہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں کس کا عمل اچھا ہے یہ نہیں فرمایا کہ کس کا عمل زیادہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کی مقدار کا زیادہ ہونا قابل توجہ نہیں بلکہ عمل اچھا اور صحیح ومقبول ہونا معتبر ہے، اسی لئے قیامت میں انسان کے اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائے گا، جس میں ایک ہی عمل کا وزن ہزاروں اعمال سے بڑھ جائے گا۔

نیز ارشاد باری ہے: ''سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی ہیں جو اہل عقل ہیں۔''

یعنی خدا کی باتیں سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایات اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان پر عمل کرتے ہیں، مثلاً ایک چیز رخصت واباحت کی سنی اور دوسری عزیمت کیس نی تو عزیمت کی طرف جھپٹتے ہیں رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقی کامیابی کی راہ پر بتوفیق الٰہی گامزن ہیں اور اللہ کے نزدیک یہی دانشمند لوگ ہیں۔ نیز اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے یہی ہے، بڑی بزرگی''

یعنی ایک کامل بندے وہ ہیں جو اللہ کے فضل وتوفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے ہیں اور تحصیل کمال میں دوسروں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے اور گناہ کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کی بزرگی اور فضیلت انہیں کو حاصل ہے۔

نیز قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب ومحبوب ہے اور جو ہم کو اس کا محبوب بندہ بنانے والی ہے۔ قرآن پاک میں بلا مبالغہ سینکڑوں مقامات پر عمل صالح والی اس زندگی پر ایسی کیف آور بشارتیں سنائی گئی ہیں جن میں ایمان والی روحوں کیلئے لذت وسرور اور نشاط ومستی کا یقیناً اس سے زیادہ سامان ہے جتنا کہ شراب کے متوالوں کو شراب سے حاصل ہوتا ہے۔

سورۂ حج میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حکم ہے کہ آپ پوری انسانی دُنیا کو ہمارا پیغام سنا دیجئے: ''اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے اور سب کو سنا دیجئے کہ اے انسانو! میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو صرف خبردار کرنے والا اور اس کا پیغام کھول کھول کر سنانے والا ہوں پس جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں گے ان کیلئے ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہمارے احکام وفرامین کے مقابلے میں زور آزمائی کریں و دوزخ میں جانے والے ہیں۔''

نیز ارشاد ہے: ''او ر جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ہم ان کو ان بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ وعدہ ہے اللہ کا بالکل سچا اور کس کی بات ہو سکتی ہے اللہ سے زیادہ سچی۔''

اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں وہ جنت کے باغیچوں میں رہیں گے۔ ان بہشتی باغوں میں جس چیز کی وہ خواہش کریں گے اپنے پروردگار کے پاس وہ ان کو ملے گی۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے اللہ اس خوش انجامی کی بشارت اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں۔''

ان سب آیتوں میں ایمان اور عمل صالح والی زندگی گزارنے والوں کیلئے آخرت کی رحمت ومغفرت اور اس کے فضل وبخشش اور جنت ونعمائے جنت کی بشارتیں ہیں اور اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت پر ایمان ویقین نصیب فرمایا ہے ان کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی بشارت اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی ہے کہ آخرت کی حقیقی اور کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے۔

مسلمان ماؤں بہنوں کیلئے ہفتہ وار ایک تربیتی پروگرام شروع ہو چکا

مسلمان خواتین کیلئے ہفتہ وار ایک تربیتی پروگرام حضرت مولانا حمید اللہ لون صاحب۔ دامت برکاتہم کی سرپرستی میں شروع ہو چکا ہے۔ جس میں ماؤں بہنوں کے تمام بنیادی ضروری مسائل، تفسیر قرآن، سیرت، عبادات، معاملات، معاشرت ودیگر خواتین کی زندگی کے روزمرہ مسائل خواتین معلّمات ہی سکھاتی ہیں۔

یہ تربیتی پروگرام ہر ہفتہ اِتوار صبح ساڑھے دس بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک رہتا ہے۔ پتہ ہے:

شاہ کمپلیکس لین نمبر2
آثار کالونی نزدیک کشمیر
یونیورسٹی سرسید گیٹ
درگاہ حضرت بل سرینگر

رابطہ کیلئے ڈائیل کیجئے: 9906731031

ضروری گذارش!

جن قارئین کرام نے مبلغ کی ادائیگی کئی مہینوں سے نہیں کی، انہیں گزارش کی جاتی ہے کہ وہ براہِ کرم جلد از جلد ادائیگی کریں، اور ایجنٹ حضرات سے بھی گزارش ہے کہ وہ جلد از جلد ہفتہ وار مبلغ کے دفتر واقع کھانڈی پورہ کاترسو کولگام بذریعہ منی آرڈر یا از خود تشریف لا کر اپنی بقیہ ادائیگی ادا کریں۔ مدیر

SAMEER & CO

Deals with:

PLY WOOD, HARDWARE, PAINTS ETC

ایک بار آزمائیے، بار بار تشریف لائیے

H.O: K.P. ROAD ISLAMABAD

Contact No's: 9419040053

سماجی برائیوں کا تدارُک اُسوۂ حسنہ سے ممکن۔ مولانا رحمت اللہ قاسمی

بانڈی پورہ// بانڈی پورہ کی مرکزی جامع مسجد جدید میں زیر اہتمام دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ جلسہ سیرت النبیؐ روح پرور اجتماع منعقد ہوا جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی، جلسہ کی صدارت مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی نے کی جبکہ مہمان خصوصی مفتی نذیر احمد صاحب قاسمی، امام حی بانڈی پورہ مولانا خورشید انوار ندوی تھے، مفتی نذیر احمد صاحب قاسمی نے بعنوان انسانی زندگی کیلئے اُسوۂ کامل ذات نبیؐ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ امت مسلمہ حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بہترین نمونہ ہے، انہوں نے کہا کہ اس وقت معاشرے میں نوجوان پود اسکولوں، کالجوں، کوچنگ سینٹروں میں مغربی تہذیب کا شکار ہو کر اپنے آپ کو بگاڑ رہے ہیں اور والدین بھی بے بسی کے ساتھ اپنے جوان بیٹوں بیٹیوں کے بگڑنے پر کوئی تدارُک نہیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے خاص کر نوجوانوں سے تلقین کی کہ وہ ایسے خرافات سے خود کو محفوظ رکھے اور دوسروں کو بھی مغربی تہذیب جارحیت ودیگر فحاشی کاموں میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ آخر میں مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی نے اختتامی کلمات بیان کرتے ہوئے کہا کہ اُسوۂ حسنہ کو اختیار کر کے سماج میں پھیلنے والی برائیوں اور بدعات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

لال مسجد آپریشن کیلئے مشرف ذمہ دار، تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ

ایجنسیاں// لال مسجد کمیشن نے 304 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ میں سابق صدر پرویز مشرف، وزیر اعظم شوکت عزیز اور انکی کابینہ کے ارکان کو بلواسطہ طور پر سانحہ لال مسجد کا ذمہ دار قرار دیا ہے، رپورٹ کے مطابق لال مسجد آپریشن کیلئے تین سطحی حکمت عملی ترتیب دی گئی تھی، رپورٹ میں سابق وزرائے اعظم، چودھری شجاعت حسین، شوکت عزیز، طارق عظیم اور اس وقت کی کابینہ کے ارکان نے سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو لال مسجد آپریشن کا ذمہ دار قرار دیا ہے، سابق وزرائے اعظم اور کابینہ کے اَرکان کے مطابق آپریشن سے گریز کیا جا سکتا تھا، آپریشن سے پہلے ڈورن طیارے نے لال مسجد کی تصاویر لیں، آپریشن میں ٹریل ون بریگیڈ سمیٹ منگلا سے بھی سیکورٹی فورسز نے حصہ لیا، کمیشن رپورٹ میں دار العلم کے نام سے مذہبی ادارے متعارف کرانے اور انہیں مکمل مالی سپورٹ فراہم کرنے کی سفارشات بھی کی گئی۔

شاعر مشرق اقوامِ عالم کی میراث، کشمیر یونیورسٹی میں یوم اقبال پر تقریب

سرینگر// اقبال انسٹی چیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی کشمیر یونیورسٹی میں ناظم اقبالیات پروفیسر تسکین فاضل کی زیر صدارت حکیم الامت علاّمہ محمد اقبالؒ کے 75 ویں یوم وصال کے سلسلے میں سیمنار ہال میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں فیکلٹی کے علاوہ انسٹی چیوٹ میں زیر تعلیم بیشتر اسکالرس نے شمولیت کر کے اپنے مقالات بھی پیش کئے، سیمنار کا آغاز شعبہ فارسی کے اَسسٹنٹ پروفیسر شہنواز شاہ کی تلاوت کلام اللہ اور انسٹی چیوٹ کے سابق ریسرچ اسکالر فیاض احمد کی نعت خوانی سے ہوا، افتتاحی خطبے میں پروفیسر تسکین فاضل نے کہا کہ اقبال جیسی عظیم المرتبت شخصیات تمام اقوام عالم کی میراث ہوا کرتی ہیں، ان کا دیا ہوا پیغام ذات، رنگ، نسل زبان وغیرہ کے امتیازات اور جغرافیائی حدود وقیود سے بالاتر ہے، انہوں نے کہا کہ اقبال کے شعری ونثری کارناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان روحانیت کو اپنا بنیادی اصول بنائے، آزادی فکر اور حریت اظہار کو اپنائے اور اگر یہ ممکن نہیں تو اس خاکدان سے ایک نئے آدم کا ظہور ہو، انہوں نے مزید کہا کہ علامہ اقبال کا دراصل زندگی اور زمانے کی نسبت ایک حرکی اور رجائی تصور ہے جو انہیں ایک طرف ابدیت سے ہم رشتہ رکھتا ہے دوسری جانب اپنے عہد کی تہذیبی اور فکری صورتحال کا معروضی اور حکیمانہ جائزہ لینے پر اُکساتا ہے، سینئر فیکلٹی ممبر پروفیسر بشیر احمد نحوی نے علامہ اقبال کی متنوع شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اقبال ایک ایسی عبقری شخصیت ہیں کہ جن کے فکر وفلسفہ سے ہر دور میں اخذ وفیض کیا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے مشرق ومغرب کے تمام علمی وادبی چشموں سے سیرابی حاصل کر کے بغیر کسی امتیاز کے انہیں اپنے فکر وفن میں جائز مقام دے دیا۔

www.khanqah.in

www.khanqah.in

آپ کے پوچھے گئے دینی سوالات

اِسقاطِ حمل جائز نہیں

از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ مدظلہ العالی

سوال: کیا شریعت اسلامیہ میں کوئی صورت یا کسی بھی صورت میں ایک عورت کا حمل گرا سکتے ہیں، جب کہ آج کل کا نعرہ ''چھوٹا کنبہ خوشحال کنبہ'' کے تحت اکثر و بیشتر عورتیں یا تو خود ایسی حرکت کرتی ہیں یا کروائی جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان گھرانے کی عورت کیلئے شریعت اسلامیہ نے کوئی جوازیت رکھی بھی یا نہیں؟

نسیمہ قیوم۔ سعد پورہ سرینگر

جواب: وباللہ التوفیق۔ حمل گرادینے کو اسقاطِ حمل کہتے ہیں، عہد حاضر میں ضبط تولید کی ایک صورت یہ بھی بدقسمتی سے رواج پا چکی ہے کہ حمل قرار پا جانے کے بعد اسے ضائع کر دیا جائے۔ اسقاطِ حمل کے سلسلہ میں کسی نتیجہ تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ حمل پر آنے والے مختلف مراحل کا فرق پیش نظر رہے، استقرارِ حمل کے بعد نطفہ ابتدائی ایام میں محض بستہ خون اور گوشت کی صورت میں رہتا ہے پھر رفتہ رفتہ اس میں روح اور زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور پھر ایک جاندار بچے کی شکل ہو جاتی ہے۔

روح اور آثارِ زندگی پیدا ہو جانے کے بعد اسقاطِ حمل کی حرمت میں تو شرعاً کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں ہے، اسلئے کہ جب حمل میں زندگی پیدا ہوگئی تو ایک زندہ نفس اور اسکے درمیان اسکے سوا اور کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا کہ ایک پردۂ رحم میں لپٹا ہوا ہے اور دوسرا اس دنیائے آب و گل میں آ چکا ہے، قتل نام ہے کسی زندہ وجود کو زندگی سے محروم کر دینے کا، یہ جرم اگر بطن مادر میں ہو تو بھی نفس کشی ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد ہو تو بھی نفس کشی ہے، دواؤں اور گولیوں کی طاقت سے انجام پائے تو بھی قتل ہے اور تلوار اور لاٹھی کا سہارا لیا جائے تو بھی قتل ہے، ''لاتقتلوا اولادکم'' کے مخاطب اگر بچوں کو زندہ در گور کرنے والے ہیں تو آخر وہ لوگ اس سے کیوں کر دامن کش ہو سکتے ہیں جو رحم مادر میں پلنے والے بچوں کو زندگی کی نعمت سے محروم کر دیں؟ اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق اس صورت میں اسقاط حمل کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

میں اِس سلسلہ میں صرف دو بلند پایہ فقیہ علامہ احمد علیش مالکی اور حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، اول الذکر بزرگ کی رائے یوں ہے: ''روح پیدا ہونے کے بعد اِسقاطِ حمل کی تدبیریں اختیار کرنا بالاجماع حرام ہیں اور یہ قتل نفس ہے۔'' (فتح العلی المالک: ۱/۳۹۹) اور ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں: ''اسقاطِ حمل بالاجماع حرام ہے اور وہ اسی نفس کشی میں داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دِن زندہ دفن کر دی جانے والی معصوم بچوں سے سوال کیا جائے گا کہ آخر تمہیں کس جرم میں قتل کر دیا گیا۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہؒ: ۴/۲۱۷) بلکہ قاضی خانؒ (متوفی: ۲۹۵ھ) نے تو لکھا ہے کہ اگر ماں کی جان کو خطرہ ہو تو بھی ایسے بچہ کی جان نہیں جا سکتی جو ابھی حمل ہی میں ہو اور اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے ہوں، چنانچہ فرماتے ہیں جب بچہ حاملہ عورت کے پیٹ میں وجود پذیر ہو جائے اور بچہ کو نکالنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو کہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر نکال لیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو ماں کی ہلاکت اور جان جانے کا خطرہ ہو تو فقہاء کی رائے ہے کہ اگر بچہ پیٹ میں زندہ نہ ہو مردہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر بچہ بطن مادر میں زندہ ہو تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کاٹنا روا نہیں ہے، اسلئے کہ یہ ایک جان کو بچانے کیلئے دوسری جان کو مار ڈالنے کے مرادف ہوگا اور یہ درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان: ۴/۳۸۵) رہا روح پیدا ہونے سے پہلے تو بلاشبہ یہ قتل کے زمرہ میں نہیں آتا جس کا ذکر ابھی ہوا ہے، مگر مانع حمل دواؤں کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے کہ فقہاء اس قسم کے مسائل میں مآل کو ملحوظ رکھ کر حکم لگاتے ہیں، لہٰذا اس حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے بھی جائز قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ انسانی ڈھانچہ مکمل ہونے سے پہلے بھی وہ زیر تخلیق وجود ایک انسان اور ''کامل الخلقت وجود'' ہی کے حکم میں ہوگا ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ: ''جس کی بعض خلقت نمایاں ہو جائے جیسے ناخن اور بال تو وہ تام الخلقت کی طرح ہے۔'' (ردالمحتار: ۵/۹۱۵) اور ایک موقع پر فرماتے ہیں: ''ایسا حمل جس کے بعض اعضاء دیکھنے میں آ جائیں کامل الخلقت وجود کے درجہ میں ہے۔'' (ردالمحتار: ۲/۹۰۱) شیخ عبدالرحمٰن الجزیری احناف کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علمائے احناف نے کہا ہے کہ جس کے بعض اعضاء نمایاں ہو جائیں وہ تمام احکام میں ایک کامل الخلقت وجود کے درجہ میں ہے۔'' (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۵/۳۷۴) شیخ خضری بک نے اس مسئلہ پر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بطن مادر میں رہنے والے بچہ کی دو حیثیت ہوتی ہے، اس حیثیت سے کہ وہ اپنے ماں ہی کا جزء ہے اور اسی کے ساتھ اس کا وجود قائم ہے، بچہ کی اپنی مستقل حیثیت نہیں، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نہ بچہ پر کچھ واجب ہو اور نہ اسکا دوسرے پر کوئی حق ہو، اور اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنا ایک الگ مستقل جسم رکھتا ہے اور اس کے اندر زندگی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس معاملہ میں بھی اپنی مستقل حیثیت کا حامل رہتا ہے، ماں کے مرنے سے وہ مر نہیں جاتا ماں کے زندہ رہنے سے ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی زندہ ہی رہے، اس کا تقاضا ہے کہ اس پر ذمہ داریاں بھی ہوں اور اس کیلئے زندہ انسانوں کی طرح حقوق بھی ثابت ہوں، مثلاً اس کو بھی وراثت ملے، اس کیلئے بھی وصیت درست ہو۔

ان دو متضاد حیثیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ رائے قائم کی کہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس کو مستقل نہیں مانا جائے اور اس پر دوسروں کے حقوق واجب نہ قرار دیئے جائیں لیکن حقوق کے اعتبار سے ان کو مستقل اور علاحدہ وجود تسلیم کیا جائے، ان کو وراثت ملے، وصیت ان کے واسطے درست ہو اور ماں سے الگ کر کے صرف اس بچہ کو آزاد کرنا درست ہو۔

اسی اُصول کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تکمیل خلقت سے پہلے ہی حمل ساقط کر دیا جائے تو شرعاً وہی ضمان واجب ہوتا ہے جو ایک کامل الخلقت حمل ضائع کرنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ جس نے کسی حاملہ کے پیٹ پر مارا اور حمل ساقط ہو گیا تو چاہے اس کی خلقت پوری ہوگئی یا ابھی پوری نہ ہو سکی ہو، بالاجماع غرہ (ایک غلام یا باندی کا آزادی کرنا) واجب ہوگا، اسلئے کہ اس سے ایک کامل انسان کی خلقت متوقع تھی۔ (تفسیر مظہری: ۱۰/۲۱۲)

جیسا کہ مذکور ہوا اسقاط حمل کو احادیث اور متقدمین کی کتابوں میں عام طور پر ''اسقاط جنین'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جنین فقہاء اور اہل لغت کی اصطلاح میں وہ چیز ہے جسے رحم کا غلاف چھپائے رہے، چنانچہ تحفۃ المحتاج میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے شہاب الدین ابن حجر فرماتے ہیں: ''اجتنان کے لغوی معنی چھپے ہوئے ہونے کے ہیں اور اسی سے جن مشتق ہے۔'' اور اسی وجہ سے جنین کو جنین کہتے ہیں۔ لفظ ''جنین'' کی یہی تشریح عربی کی مشہور لغت ''المنجد'' میں بھی کی گئی ہے۔ اس تشریح کے مطابق جنین کا لفظ جاندار اور بے جان دونوں طرح کے حمل کو شامل ہے اور جہاں بھی لفظ جنین آئے گا تو اس سے متعلق احکام دونوں ہی حالت میں نافذ ہوں گے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اَب ہم اسقاط جنین کے سلسلہ میں احادیث اور فقہاء کی آراء نقل کریں گے، جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حمل کا اسقاط ہر ہر مرحلہ میں ایک قابل سزا جرم ہے، روایت میں ہے: ''رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کہ جنین کے اسقاط میں ایک غرہ یعنی ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا واجب ہے۔'' (مشکوٰۃ شریف: جلد ۲/۲۰۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک عورت نے حاملہ عورت کا پیٹ دَبا دیا جس سے اس کا حمل گر گیا، حضرت عمر تک یہ معاملہ پہنچا تو انہوں نے اس عورت کو ایک غلام دینے کا حکم دیا ہے۔ (المحلی: ۲۱/۸۸۳) شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: ''اور جب مرد کسی عورت کا پیٹ دَبا دے، پھر اس عورت کو ایک مردہ بچہ (جنین) پیدا ہو تو ایک غرہ یعنی ایک غلام یا باندی واجب ہے۔'' (المبسوط: ۸/۶۲۷)

امام شافعیؒ کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص حاملہ یا باندی کے پیٹ پر مارے اور مردہ بچہ نکل آئے تو ایسی صورت میں اس کی ماں کی قیمت کا دَسواں حصہ واجب ہوگا، یہ اس وقت ہے جب بچہ میں زندگی پیدا ہو جانے کے کوئی آثار نہ ہوں، یہی رائے ابن مسیّب، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ کی بھی ہے۔ (کتاب الام: ۷/۳۱۸۲) حنبلی مکتبۂ فکر کے مشہور فقیہ شرف الدین مسویٰ مقدسی فرماتے ہیں: ''آزاد مسلمان جنین کو ارادی یا غیر اِرادی طور پر گرا دینے اور اسقاط کر دینے کا تاوان ایک غلام یا باندی ہے، جس کی قیمت پانچ اونٹ کو پہنچ جاتی ہے، خواہ وہ مردہ پیدا ہوا ہو یا زندہ، چھ ماہ کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی یا اس حال میں اسقاط ہوا ہو کہ ابھی اس کے بعض حصے ہی وجود پا سکے ہوں یا صرف زیر تخلیق بچہ کا ہاتھ اور پاؤں ہی عورت نے جنا ہو، پھر یہ اسقاط کا حادثہ مار پیٹ کی وجہ سے پیش آیا ہو یا دَوا اور کسی دوسرے طریقہ سے۔'' (الاقناع: ۲/۹۰۲) اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی زندگی پیدا ہونے سے پہلے ہی حمل میں پلنے والے بچے کو ایک وجود تصور کرتے ہیں اور اس پر زیادتی اور تکمیل خلقت کا دروازہ بند کرنے کو قابل سزا جُرم قرار دیتے ہیں، نیز شرف الدین مقدسی کی تصریح کے مطابق اس مقصد کیلئے جو بھی ذرائع استعمال کئے جائیں، مار پیٹ یا دَوا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔

ایک شبہ کا اِزالہ

ممکن ہے یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ چوں کہ ایک دوسرا آدمی کسی کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر جبراً اور ظلماً یہ حرکتیں کرتا ہے، اسلئے اس کو جرم قرار دیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی از خود اپنی مرضی سے ایسا کرے تو اس کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام میں انسان خود اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہ، اس کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بلاوجہ کوئی حصہ جسم کاٹ پھینکے، اپنا کوئی عضو کاٹ ڈالے یا خودکشی کر لے، اسلئے اگر اس قسم کی حرکتیں، دوسروں کیلئے ظلم اور سزا کا موجب ہیں تو خود اس کو بھی شریعت مجرم ٹھہراتی ہے، اور بسا اوقات سزا کا مستحق قرار دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ایسی حرکتوں کے ارتکاب پر عورت کو ''قاتلہ'' قرار دیا ہے، چنانچہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: ''اور یہ بات ظاہر ہے کہ آثار خلقت کے ظہور کے بعد اگر پیٹ کا بچہ عورت کی حرکت سے مر گیا تو اس کو قتل کا گناہ ہوگا۔'' (ردالمحتار: ۵/۹۱۵) اِبراہیم نخعیؒ سے اسقاطِ حمل کے سلسلہ میں منقول ہے: ''ابراہیم نخعیؒ نے ایسی عورت کے سلسلہ میں جس نے دوا پی کر یا کچھ داخل کر کے اپنا حمل ساقط کر لیا ہو کہا ہے کہ کفارہ دے اور اس پر ایک غرہ (غلام یا باندی کو خرید کر آزاد کرنا) واجب ہے۔'' (المحلی: ۲۱/۸۷۳)

قاضی خان نے تو اس سلسلہ میں بڑی عمدہ بات لکھی ہے: ''وہ فرماتے ہیں کہ اسقاط حمل اگر زندگی پیدا ہونے کے بعد ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی حرمت میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا، لیکن اگر زندگی کے ظہور سے پہلے ہی اسقاط ہو تب بھی جائز نہیں ہوگا، اسلئے کہ جب تک روح نہ پیدا ہو جائے حمل کو عورت ہی کا ایک جزو اور حصہ بدن تصور کیا جائے گا اور جس طرح کسی کا قتل درست نہیں، اسی طرح اپنے جسم کے کسی حصہ کو بھی کاٹ پھینکنا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں اپنی کارسازی کا سکہ چلانے کے مترادف ہے''۔ (فتاویٰ قاضی خان: ۳/۱۰۴)

پس صحیح یہی ہے کہ اسقاطِ حمل جس طرح روح پیدا ہونے کے بعد حرام ہے اسی طرح پہلے بھی حرام ہے اور کسی ناگزیر عذر اور غیر معمولی مجبوری کے بغیر کسی بھی مرحلہ میں اس کا ارتکاب شرعاً جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: اس شمارے میں شاملِ اشاعت مضامین و مراسلے وغیرہ سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ

www.khanqah.in

عورتوں کے حقوق کہاں سے آئے؟

تحریر: ابوالخیر

عورتوں کے حقوق کے تعلق سے بات ہورہی ہے، اس لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق کہاں سے آئے ہیں؟ اور جس ہستی نے یہ حقوق لائے ہیں، اس کی شان کیا ہے اور اس کا مقام کیا ہے؟ جب اس شخصیت کی شان اور مقام سے متعلق تھوڑی سی جانکاری ہوگی پھر یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اس ہستی نے عورتوں کے جو حقوق بتائے ہوں گے وہ کیسی شان والے، رُتبے والے، اور دُنیا و آخرت میں سرخرو کرنے والے حقوق ہونگے، چاہیے ان حقوق کی افادیت ہماری ناقص سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

حضرت محمد مدنی (ﷺ) کی کیا شان ہے! اللہ اکبر۔

کچھ وقت پہلے برصغیر کے معروف مبلغ مولانا طارق جمیل دامت برکاتہم نے لاہور کے ایک جلسے میں وعظ فرمایا، وعظ میں حضور اکرم (ﷺ) کی شان اور مقام کے تعلق سے جب بات کی تو فرمایا: یہ دوکوڑی کا آدمی حضرت محمد (ﷺ) کی شان اور مقام کے متعلق کیا بات کرسکتا ہے! پھر کہا: موسیٰ علیہ السلام پر عرش سے تجلی پڑی عرش کے اوپر سے، عرش کتنی دور ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو نہیں پتہ، یہ جو آسمان ہے آج تک کسی نے نہیں دیکھا، اس کو آج تک کسی نے بھی نہیں دیکھا، اس میں یہ جو خلاء ہے اس کے ستانوے فیصد حصے میں تاریکی ہے، یعنی اس حصے میں روشنی نہیں ہوتی۔ اندھیرا ہے۔ تین فی صد میں روشنی ہے یعنی یہی ۳ فیصد روشن ہے۔ باقی میں اندھیرا ہے، ۹۷ فیصد حصے میں اندھیرا ہے، اور یہ جو ۳ فیصد حصہ روشن ہے اس میں 5/ارب کہکشائیں ہیں، 5/ارب Galaxies اور ایک ایک کہکشاں میں دس دس کھرب سیارے ہیں، اور جس کہکشاں میں ہم رہتے ہیں یعنی جس کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی ہے اس کا فاصلہ بیس لاکھ Light Years ہیں لائٹ اِیر کا کیا مطلب؟ یعنی ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار بیس لاکھ سال اگر سفر کیا جائے تو تب جا کر ہماری کہکشاں ختم ہوگی۔ اور ایسی 5/ارب کہکشائیں ہیں۔ ہماری کہکشاں 17 کہکشاں کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یعنی ہم 17 کہکشاؤں کے ایک مجموعے میں رہتے ہیں۔ یہ جو 17 اکٹھی ہیں ان کا فاصلہ 20 لاکھ نوری سال ہیں۔ 5 ارب کا کون سا حساب لگائے گا؟!! پھر آسمان کا اوپر، پھر پہلے، دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کا حساب کون لگائے گا؟ پھر ساتویں آسمان کے اوپر جنت، پھر جنت اُٹھی عرش تک، اور پھر عرش کے اوپر......! لا یَعْلَمُ اِلاّ اللّٰہ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے کہ عرش کے اوپر کیا ہے۔ وہاں سے ایک تجلی پڑی موسیٰ علیہ السلام پر۔ اُن کے چہرے پر نہیں پڑی، پہاڑ پر پڑی، پہاڑ ریزہ ریزہ۔ موسیٰ علیہ السلام بے ہوش پڑے رہے۔ چالیس دِن تک، چالیس دِن تک ہوش نہیں آیا۔

ادھر کیا ہوا! چند سیکنڈ میں بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچادیا۔ وہاں کیا ہوا حضور (ﷺ) نے جبرئیل کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا تو پہلے قدم پر پہلا آسمان، دوسرے قدم پر دوسرا آسمان، تیسرے قدم پر تیسرا آسمان، اور ساتویں قدم پر ساتواں آسمان، پھر سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچے، جہاں مخلوق کی حد ہوجاتی ہے، آگے مخلوق نہیں جاسکتی، وہاں جبرئیل نے کہا: بس۔ میری بھی بس۔ آگے میں بھی نہیں جاسکتا۔ اللہ نے اوپر سے تخت اُتارا، تخت پر بٹھایا، پھر اپنی قدرت سے تخت کو اوپر اُٹھایا، وہ عرش کو چیرتا ہوا اُٹھتا چلا گیا، عرش کے اوپر 70 ہزار پردے ہیں اُن کو اُٹھاتے چلے گئے اللہ تعالیٰ۔ اور اپنے ساتھ کھڑا کر کے اور اس پر اکتفا نہیں کیا کہ سامنے کھڑے ہوں بلکہ آگے فرمایا یَا حَبِیْبِیْ اُدْنُوْا مِنِّیْ کہ میرے حبیب قریب آجاؤ، میرے قریب آجاؤ۔ جس رسول کا اتنا اونچا مقام ہو اسکے طریقے میں کتنی طاقت ہوگی، اور جو اس طریقے کو چھوڑ دیگا اسکو کہاں سے نجات ملے گی، اسکو کونسی نوکری، کونسی تجارت، کونسے عہدے نجات دیں گے؟

جس طرح نجات حضور اکرم (ﷺ) کے طریقے میں ہے اسی طرح نجات اُن حقوق میں ہے، سرخروئی دنیا و آخرت کی کامیابی اُن حقوق میں ہیں، جو حضور اکرم (ﷺ) نے عورت اور مرد کیلئے بتلائے ہیں یا مقرر کئے ہیں۔ حضور سے بہتر کوئی عادل نہیں، کوئی انصاف کرنیوالا نہیں، کوئی بہتر حقوق متعین کرنیوالا نہیں۔

اسلام میں عورت کے حقوق محض اتنے نہیں ہیں کہ اسکو کھانا دیا جائے، لباس دیا جائے اور اسکے اخراجات پورے کئے جائیں، بلکہ ان حقوق میں یہ بات شامل ہے کہ مرد عورت کے جذبات اور احساسات کا بھی خاص خیال رکھے اور اپنے برتاؤ سے انہیں مجروح کرنے کی کوشش نہ کرے اور عورت کو اپنا بھرپور پیار و محبت دے، ایک روز نصیحت فرماتے ہوئے حضرت مولانا حمید اللہ صاحب دامت برکاتہم نے مجھ سے کہا کہ اگر انسان سنت جان کر اپنی بیوی سے پیار بھری باتیں کرتا ہے یعنی دل لگی کرتا ہے تو ہزار نفلوں سے بہتر ہے۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضور (ﷺ) بازار سے جارہے تھے اور اُن کے دو مبارک ہاتھوں میں تیل کی دو بوتلیں تھیں، کبھی دائیں ہاتھ والی بوتل بائیں ہاتھ میں دیتے اور بائیں ہاتھ والی بوتل دائیں ہاتھ میں دیتے، ایک صحابی نے رسولِ خدا (ﷺ) کو راستے سے جاتے ہوئے جب یہ فعل کرتے دیکھا تو انہوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) آپ یہ کیا کررہے ہیں؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خوب جانتے تھے کہ حضور اقدس (ﷺ) کوئی فعل فضول نہیں بلکہ ان کے ہر عمل میں ایک درس اور ایک مقصد ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اکرم (ﷺ) کے ہر عمل اور فعل کا بغور جائزہ لیتے اور اختیار کرلیتے، جہاں سمجھ میں نہیں آتا تھا وہاں دریافت بھی فرماتے اور پھر اس پر عمل کرتے۔ حضور اکرم (ﷺ) نے اس صحابی کے دریافت کرنے پر اُنہیں فرمایا کہ مجھے دو ازواج مطہرات نے تیل کی بوتل لانے کیلئے کہا ہے، اب اگر دو میں کسی کو دائیں ہاتھ سے دیتا ہوں اور کسی کو بائیں ہاتھ سے، تو اس زوجہ مطہرہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچنے کا احتمال ہے، جس کو بائیں ہاتھ کی تیل والی بوتل دی جائے وہ سمجھے گی کہ ایک کی بوتل دائیں ہاتھ میں تھی اور دوسرے کی بائیں ہاتھ میں لائی۔

یہاں میں آپ سے اتنا بتاتا چلوں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت حاصل ہے اس لئے ہم بھی اگر کسی کو کوئی چیز دائیں ہاتھ کے بجائے بائیں سے پیش کریں تو اُسے ناگوار گزرتا ہے۔ یہ ہے عورت کے جذبات کا خیال رکھنا اسی واقعے سے متاثر ہوکر ایک انگریز نے تو اسلام قبول کرلیا تھا۔

بقیہ: عصر حاضر اور ہماری تعلیم کا رُخ

کیلئے آپ یہ یاد رکھیں کہ جب بھی دُنیا کے کسی حصے میں اسلامی نظام قائم ہوا ہے اس نے اپنے دَور کی تجارت اور صنعت وحرفت میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے، اسلام بالکل پسند نہیں کرتا کہ آپ سائنس کی ایجادات میں علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں پیچھے رہ جائیں، اسکے برعکس وہ زندگی کے ہر میدان میں آپ کو ماہر ترین اور سرگرم ترین کارکن دیکھنا چاہتا ہے، پس تعلیم کا مقصد ہمارے سامنے رہے اور ہم سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے حاصل کرنے کی اہمیت سمجھ سکیں۔

علم نحو سیکھئے - 12

مولانا محمد طاہر قاسمی۔ اُستاذ سواء السبیل

سوال: عوامل کا معنی کیا ہے؟ اور اسکی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: عوامل، عامل کی جمع ہے، لغت میں کام کرنے والے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح نحو میں عوامل ان لفظی اور معنی اَسباب کو کہتے ہیں جن کی وجہ سے کلمات کی آخری حالتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ عوامل چار قسموں پر منقسم ہوتے ہیں۔ (۱) عوامل لفظیہ۔ (۲) عوامل معنویہ۔ (۳) عوامل قیاسیہ۔ (۴) عوامل سماعیہ۔

عوامل لفظیہ: ان عوامل کو کہتے ہیں جو بولنے میں آتے ہیں، جیسے لفظ مِنْ، اَنْ، ضَرَبَ وغیرہ۔

عوامل معنویہ: ان عوامل کو کہتے ہیں جو بولنے میں نہیں آتے ہیں، جیسے ابتداء اور ناصب وجازم سے خالی ہونا جن کی تفصیل انشاء اللہ بعد میں اپنے موقع پر آجائے گی۔

عوامل قیاسیہ: ان عوامل کو کہتے ہیں جو قاعدہ کے مطابق آتے ہیں، جیسے اَفعال، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ۔

عوامل سماعیہ: ان عوامل کو کہتے ہیں جو اہل زبان سے سنے گئے ہیں جن کے بنانے کا کوئی قاعدہ نہیں جیسے حروفِ جارہ، ناصبہ، جازمہ وغیرہ۔

سوال: حروفِ جارّہ کی تعریف بیان کیجئے، نیز یہ حروف کتنے ہیں؟

جواب: حروفِ جارہ ان حرفوں کو کہتے ہیں جو اسم پر داخل ہوکر اس کے آخر کو زیر دیتے ہیں اور وہ فعل یا شبہ فعل معنی کو کھینچ کر اسم تک پہنچادیتے ہیں۔ یہ کل سترہ حروف ہیں، جو اس شعر میں میں جمع ہیں

باؤ تاؤ کاف ولام وواؤ منذ ومذ خلا!

رُبّ حاشا مِنْ عدا فی عَنْ علیٰ حتیٰ اِلیٰ

۱) باء: یہ حرفِ باء الصاق کیلئے ہے، اور وہ (الصاق) ایک شئ کے (دوسری) شئ کے ساتھ ملنے کا نام ہے، یا تو (ملنا) حقیقی طور پر ہو (اس کی مثال) بِہٖ دَاءٌ کے مانند ہے اور یا (ملنا) مجازی طور پر ہو اس کی مثال مَرَرْتُ بِزَیْدٍ کے مانند ہے، یعنی مل گیا میرا مرور (گذرنا) ایسی جگہ سے کہ اس (جگہ) سے زید قریب ہے۔

سوال: الصاق کے معنی کیا ہے اور اس کی قسمیں کون کون سی ہے؟

جواب: اِلصاق کے معنی ہیں، چپکنا، چپکانا، ملنا، ملانا، الصاق کی دو قسمیں ہیں اور باء اِن دونوں قسموں کیلئے آتی ہے۔ (۱) الصاق حقیقی: یعنی ایک چیز حقیقت میں دوسری کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ درمیان میں کوئی فاصلہ نہ رہے، جیسے بیماری بدن کے ساتھ مل جاتی ہے، باء اس الصاق کو بھی بتاتی ہے جیسے بِہٖ دَاءٌ یعنی اس کے ساتھ بیماری ملی ہوئی ہے۔ (۲) الصاق مجازی: یعنی دو چیزوں کے درمیان حقیقت میں تو فاصلہ ہو مگر اس فاصلہ کو نظر انداز کر کے دونوں کو متصل کہہ دیا جائے مثلاً جب انسان گذرتے ہیں وان کے جسم آپس میں نہیں ملتے مگر عرف میں کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں آدمی مل کر گذرے، باء اس الصاق کو بھی بتاتی ہے جیسے مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، یعنی میں زید کے ساتھ گذرا۔

☆ یہ باء استعانت کیلئے بھی آتی ہے، اس کی مثال: کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ یعنی میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔

☆ یہ باء علّت بیان کرنے کیلئے بھی آتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ......الخ۔ یعنی یقیناً تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اپنی گوسالہ پرستی کی وجہ سے۔

☆ یہ باء مصاحبت کیلئے بھی آتی ہے، جیسے: اِشْتَرَیْتُ الْفَرَسَ بِسَرْجِہٖ۔ یعنی میں نے گھوڑا خریدا اس کی زین کے ساتھ۔

☆ یہ باء کبھی متعدی بنانے کیلئے بھی آتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوْرِہِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو لے گیا۔

☆ یہ باء کبھی مقابلہ کیلئے بھی آتی ہے، جیسے اِشْتَرَیْتُ الْعَبْدَ بِالْفَرَسِ، یعنی میں نے غلام خرید بمقابل گھوڑے کے یعنی میں نے غلام کو گھوڑے کے بدلہ میں خریدا۔

☆ یہ باء کبھی قسم کیلئے بھی آتی ہے، جیسے بِاللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ ضرور بالضرور ایسا کروں گا۔ (جاری)

www.khanqah.in

بقیہ : صفحہ آخر سے آگے......

Demineralibus کے نام سے ترجمہ کیا۔ اس کتاب میں انہوں نے کمسٹری اور جیالوجی پر بھی بہت کچھ لکھا۔ انہوں نے معدنیات کو پتھر، سلفر، نمک میں تقسیم کیا اور بتلایا کہ سمندر میں پتھر کیسے ملے۔ پتھر سخت کیوں ہوئے، پہاڑ کیسے بنے، سطح زمین سمندر میں کیسے بدلی، سمندر کے مردہ جانوروں کی ہڈیاں پتھر کیسے بنیں۔

ابن سینا راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس کا اندازہ ان کی شاعری اور ان کی تحریر کردہ قرآن کریم کے بعض حصوں کی تفسیر سے ہوتا ہے، ان کا بہت سی کتابوں کے لکھنے کا مقصد اسلامی نظریات کی وضاحت تھا، ان کے دَور میں کٹر ملاّؤں نے ان پر بے دین ہونے کا الزام عائد کیا، اس کے جواب میں انہوں نے مذہب اسلام سے اپنے والہانہ لگاؤ کا اعلیٰ پیرایہ میں اظہار کیا۔ جب ان پر کبھی کڑا وقت آتا تو مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے، چاہے یہ مشکل وقت کتابوں کے لکھنے یا دقیق مقالات کے سمجھنے کا ہوتا، وہ دعا کے ذریعے مشکل کا حل تلاش کرتے، انہوں نے دُعا کی قبولیت پر مضامین تحریر کیے ان کے نزدیک عشق کا سب سے اعلیٰ مقام خدائے تعالیٰ سے محبت ہے۔

پیرس اور آکسفورڈ میں فلسفے کے جو مکاتب فکر تھے ان پر ابن سینا کا اَثر بہت تھا، ان کے نظریات کی جھلک راجر بیکن کی تحریروں میں نمایاں نظر آتی ہے، جس نے ابن رشد سے زیادہ ابن سینا کی تعریف کی ہے، راجر بیکن نے خدا کے وجود کے حق میں جو دلائل و براہین دیے وہ سراسر ابن سینا کے تھے۔

علم طب میں یونانی عالم گیلن کی کتابوں کے ساتھ ابن سینا کی کتابوں کا مطالعہ ایک عرصہ دراز تک لازمی جانا جاتا تھا۔ جب عربوں نے یونانی سائنس پر عبور حاصل کیا تو انہوں نے مشہور طبیب گیلن کی کتابوں کے عربی میں تراجم کیے، یوں انہوں نے اپنی قوم میں ایک مثالی طبیب کا کردار اختراع کرلیا، دسویں صدی میں عربوں نے اپنے وقت کا سب سے عظیم لقب ''گیلن آف اسلام'' ابن سینا کو عطا کیا جو آج کے نوبل پرائز سے کچھ کم نہ تھا۔

بقیہ : صیہونیت؛ایک شیطانی......

جواب: یہ صریح جھوٹ ہے، احمد نژاد ایسا نہیں کر سکتے، خود ان کے ملک ایران میں یہودیوں کی بڑا تعداد ہے، موقع ہاتھ آنے کے باوجود احمد نژاد نے ان یہودیوں کا قتل نہیں کیا۔

سوال: اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک احمد نژاد کے بیان کے یہ معنی یہودیوں کے قتل کے نہیں ہیں؟

جواب: ہاں! احمد نژاد کے بیان کا مطلب یہودیوں کا جسمانی صفایا نہیں بلکہ سیاسی سطح پر یہودیوں کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دینا مراد ہے، ہم میں سے کئی مذہبی رہنماؤں نے گذشتہ سال ہی ایران کا دورہ کیا تھا، وہاں ہم نے ایرانی قائدین سے ملاقات کی، نائب صدر ایران سے بھی ہماری ملاقات ہوئی، اس وقت صدر ایران وینزولا کے دَورہ پر تھے، ایران میں ہماری ملاقات وہاں کے روحانی قائدین سے بھی ہوئی، سب نے صراحت کی کہ ان کا یہودیوں سے کوئی تنازعہ نہیں ہے۔

سوال: کیا آپ کا ایقان ہے کہ جب تک دنیا میں یہودی مملکت رہے گی اس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی؟

جواب: یہودی مملکت کے سبب یہودی بھی پریشانی سے دوچار ہیں اور فلسطینی بھی۔ ہم اسلئے نماز اور عبادت کررہے ہیں تا کہ جلد از جلد یہودی مملکت کا سیاسی شیرازہ بکھر جائے اور یہ کام پرامن طریقہ سے ہوجائے۔

فن پارے ہماری تہذیب کی یادگار۔وزیر اعلیٰ

جموں// فن کو خاموش آواز قرار دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ فن وتمدن ہماری تہذیب کا عظیم ورثہ ہے اور فن پارے ہماری تاریخ وتمدن کی یادگار ہیں، وزیر اعلیٰ نے کہا کہ جموں وکشمیر کا اپنا ایک اعلیٰ تمدن، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، کثرت میں وحدت، قدرتی حسن یہاں کے عوام کا طرزِ زندگی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، انہوں نے کہا کہ فنکاروں، مصوروں، شعراء اور مصنفوں کا کام نہایت ہی اہم ہے، عمر عبداللہ نے کہا کہ ہماری ریاست کے فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے بین الاقوامی سطح پر اپنے فن کا لوہا منوایا ہے، انہوں نے کہا کہ جموں وکشمیر کو فن وتمدن اور ادب میں خصوصی مقام حاصل ہے اور موجودہ وقت میں فنکار، شعراء اور مصنفین ہمارے اس اعلیٰ تمدن کو زندہ وجاوید رکھنے کیلئے نمایاں رول ادا کررہے ہیں، امر محل میں فنکار بابر افضل کی ایک تین روزہ مصوری نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اس مصور نے ریاست کے خطہ لداخ میں پشمینہ بکری سے متعلق متعدد پہلوؤں اور ماحولیات وسبزہ زاروں کو تحفظ فراہم کرنے کی عکاسی کی ہے، عمر عبداللہ نے کہا کہ فنکار نے ریاست کی اقتصادیات اور ثقافت کی اہمیت سے متعلق متعدد معاملوں کو بھی اپنے فن کے ذریعے اُجاگر کیا ہے، اس موقع پر قانون سازیہ رکن اور نیشنل کانفرنس کے صوبائی صدر جموں دیوندر سنگھ رانا، کمشنر سیکریٹری صنعت وحرفت شانت منو اور فن کے شائقین بھی موجود تھے۔ امر محل کی آرٹ گیلری میں لگائی گئی افضل کی مصوری میں یہاں آنے والے لوگوں نے گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اس موقع پر بابا افضل نے کہا کہ انہوں نے اپنے فن کے ذریعے یہ پوچھنے کی کوشش کی ہے کہ کیا پودوں، جانوروں اور ماحولیات میں آپسی ربط ہے۔

شر سے مجتنب رہو، راہِ خیر اختیار کرو

حضرت قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔رحمۃ اللہ علیہ

''اگرچہ خیر اور شر دونوں اس دنیا میں موجود ہیں اور انسان کے کردار اور عمل میں ان دونوں چیزوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے لیکن متعدد آیات کلام اللہ کے پیش نظر تمام عوامل خیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور تمام عوامل شر ابلیس اور نفسِ انسانی کے پیدا کردہ ہیں۔ پس خیر کو تو سراسر اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے۔ شر نہ تو اس کی ذات میں ہے اور نہ اُس کی جانب سے ہے۔ بلکہ نفسِ امارہ کی پیدا کردہ شے ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''تمہیں جو بھی نیکی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور تمہیں جو بھی بدی پہنچتی ہے وہ سراسر تمہارے اپنے نفس کی جانب سے ہے''

پس میں تجھے تاکید کرتا ہوں کہ خیر یعنی توحید وتقویٰ کا راستہ اختیار کر اور شر یعنی شرک وفسق کا اصول اور اس کے عوامل چھوڑ دے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ''میرے بندو! تم جنت میں اپنے اعمالِ صالح کے عوض داخل ہو جاؤ۔ سبحان اللہ! اُس کی کس قدر رحمت ورعایت ہے کہ اُس کے بندے نیک اعمال کے باعث بہشت کے مستحق قرار دیئے گئے، حالانکہ تمام نیک عمل بھی سراسر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق ونُصرت سے ہیں''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی بھی شخص محض اپنے اعمال کے سبب داخل نہ ہوگا'' اور حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں'' فرمایا ''میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ مجھے ڈھانپ لے'' یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ پس میں تجھے شریعت کا احترام کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں پھر جب تو احکامِ الٰہی تعمیل کرے گا اور دستور شریعت کا احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے شر اور شر کے ذرائع سے محفوظ رکھے گا اور تجھ پر راہِ خیر روشن فرما کر شریعت کو تیرے لئے آسان کردے گا اور تمام معاصی سے بچائے گا۔ فرمایا جو لوگ ہمیں سمجھنے اور پانے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں تم اُن کے لئے صراط المستقیم کو روشن کردیتے ہیں اور اُن کی رہنمائی کرتے ہیں'' اسی بنا پر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا: ''ہم نے حضرت یوسفؑ کو ہر قسم کی بدی اور فحش سے محفوظ رکھا کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے'' ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اگر تم ایمان لاؤ اور شکر کرو تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہیں عذاب کرے''

اس سے ظاہر ہے کہ مؤمن اور شاکر بندے دُنیا میں بھی مصائب اور آفات سے محفوظ رکھے جاتے ہیں اور عقبیٰ میں بھی ذلت وعذاب سے نجات پائے ہوئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری زیادتی نعمت کا باعث ہے۔ فرمایا: ''اگر تم شکر بجالاؤ گے تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے''

او بندہ مؤمن! جب تیرا نور ایمان آخرت میں نارِ دوزخ کو بھی بُجھائے گا تو وہ دنیا میں آفات وبلیات کی آگ کو کیوں نہ بُجھائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے جن محبوب و برگزیدہ بندوں کو دنیا میں مصائب وآفات پیش آتے ہیں تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا مقصود ہوتا ہے کہ اُن کے یقین (ایمان کو محکم کیا جائے اور مفاسد عقیدہ وعمل سے اُن کے قلب ودماغ کی تطہیر کی جائے اور ساتھ ہی ایسے ابتلاء سے اس پر توحیدِ الٰہی، معرفتِ حق اور اسرارِ باطن کو واضح و بے نقاب کردیا جائے۔ یہ اس لئے کہ یہ قلبِ انسانی ایک ہی ہستی کی مستقل نشستِ ہے، اس میں دو ہستیاں قرار نہیں پاسکتیں اور جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو دل میں جگہ دی جاتے تو یہی شرک ہے جو تمام اعتقادی اور عملی خباثت کی جڑ ہے۔ اس کے برعکس توحید انسان کے قلب اور تمام اعضاء وجوارح کو ہستی باری تعالیٰ کیلئے مخصوص کرتے ہوئے اُس کے سینے کو ہر قسم کی کدورتوں سے پاک کرتی ہے اور اطمنانِ کامل عطا کرتی ہے۔ جس شخص کی توحید جتنی زیادہ محکم وتوانا ہوگی۔ اُسی قدر اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور اُسی قدر وہ ذات وصفات الٰہی کے اسرار سے باخبر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کو تم سب سے زیادہ پہچاننے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں''۔ پس جو شخص اپنے خالق وپروردگار سے جتنا زیادہ قریب ہوگا وہ اُتنا ہی زیادہ اُس سے خوف وخشیت رکھتا ہوں اور اُس کے احکام کا مطیع ہوگا۔ قُربِ حق کا ایک بڑا اثر یہ بھی ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پورا پورا احترام کرے اور اُن کا ہر دم شکر بجالائے گا۔ وہ غیر اللہ کی جانب التفات نہیں کرنے گا کیونکہ یہ اطاعتِ حق تعالیٰ میں صریح کوتاہی ہے۔

اسی حکمت کی بناء ازواجِ النبی ﷺ اور اصحاب نبیؐ کو فسق وفحش سے بالکل محفوظ رکھا گیا۔ کیونکہ اُنہیں ایک ایسی مقدس اور متقی ہستی کا قرب حاصل تھا، جس کے زیر اثر فسق وفجور کا امکان ہی نہیں تھا۔ اس بناء پر اُس شخص کے روحانی و باطنی عروج وتفوق کا اندازہ کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو۔ لیکن واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا برتر ہے کہ اُسے مخلوقات سے کسی کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ وہ خود فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں ہرگز نہ کیا کرو۔ اللہ کی مثل و مانند کوئی شئے نہیں ہے۔ پس توحید کا واضح تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات دونوں میں یکتا اور بے مثل سمجھا جائے اور مخلوق سے کسی کو اُس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے۔

www.khanqah.in

Vol. 14 No: 15 26 APRIL 2013 Friday

Printer,Publisher: Nizam-ud-din Qurashi
Associate Editor: Hafiz Mushtaq Ahmad Thakur
Postal Adress: Post Box No. 1390 G.P.O Srinager
Sub Office: Khandipora Katrasoo Kulgam Kashmir-192232
Phone No: 01931-212198
Mobile: 09906546004
Branch Office: Srinagar Ph: 2481821

Widely Circulated Weekly News Paper
MUBALLIG
Kashmir

Decl. No: DMS/PUB/627-31/99
R.N.I. No: JKURD/2000/4470
Postal Regd. No: SK/123/2012-2014
Posting Date: 27-04-2013
Printed at: Khidmat Offset Press Srinager
e-mail: muballigmushtaq@gmail.com
muballig_mushtaq@yahoo.com.in

گیلن آف اِسلام

بوعلی سینا

محمد زکریا یادرک کینیڈا

بوعلی الحسین کو اسلامی دنیا میں ایک کلچرل ہیرو ہونے کیس اتھ ساتھ گذشتہ ایک ہزار سال کے عرصہ مں ے اسلام کا سب سے عظیم فلاسفر اور ماہر طب بھی تسلیم کیا جاتا ہے، مشرق میں انہیں ایک کامیاب حکیم مانا جاتا ہے، ایسا حکیم جو انسانوں کی جسمانی اور وحانی بیماریوں کا علاج بھی کیا کرتا تھا، جن مما لک میں آج بھی جہاں یونانی طریقہ علاج کا رواج ہے وہاں بوعلی سینا ایک روشنی کے مینار کی حیثیت میں کھڑے نظر آتے ہیں، مغربی دُنیا ان کی کتابوں کی وجہ سے ان کا لوہا مانتی ہے۔

بوعلی سینا (ابن سینا) کی پیدائش بخارا کے نزدیک افشانہ کے مقام پر 980ء میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام عبداللہ تھا جو ایران کے شہر بلخ کے رہنے والے تھے۔ ابن سینا نے اپنے استاذ ابوعبداللہ نطالی سے منطق، جیومیٹری اور علم ہیئت سیکھا مگر جلد ہی اپنے استاد کو ان علوم میں پیچھے چھوڑ گئے، اس کے علاوہ بہت کچھ خود مطالعہ کر کے مختلف علوم کا خزانہ پالیا۔

عمر کی سترھویں سال میں ان کی شہرت بحیثیت معالج چار دانگ عالم میں پھیل چکی تھی۔ جب سلطنت سمانید کا حکمران علیل ہوا تو اس کے علاج کیلئے بوعلی سینا کو بلایا گیا اور وہ ان کے علاج سے شفایاب ہو گیا۔

بوعلی سینا ابھی اکیس سال کے بھی نہ ہو پائے تھے کہ میڈیسن اور فلاسفی پر چند ایک ضخیم کتابیں تحریر کیں اور ایران کے مختلف ریاستوں کے فرمانرواؤں کے درباروں مں ے بطور شاہی طبیب کے خدمات سرانجام دیتے رہے، اگرچہ بعض امرائے وقت نے ان سے بُرا سلوک کیا یہں اتک کہ انہوں نے کچھ عرصہ جیل میں بھی گزارا مگر ہر کس وناکس اطباء، علماء اور دانشور آج بھی انہیں ”طبیبوں کا شہزادہ“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، انہیں الشیخ الرئیس اور حجۃ الحق کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

بوعلی سینا پیدائشی طور پر بھی علم کے دلدادہ تھے، والد نے ان کے حصول علم میں بہت دلچسپی لی، والد کا گھر عالم فاضل وگوں اور وقت کے دانشوروں کا مرجع عام تھا، علماء دُور ونزدیک سے علمی امور پر تبادلہ خیال کیلئے ان کے گھر آتے تھے، دس سال کی عمر میں انہوں نے قرآن پاک حفظ کیا اور ساتھ ہی گرائمر پر عبور حاصل کیا، اسکے بعد فزکس اور میڈیسن کا سیر حاصل مطالعہ کیا، سولہ سال کی عمر میں بوعلی سینا وقت کے تمام سائنسی علوم پر عبور حاصل کر چکے تھے۔

انہوں نے ارسطو کی کتاب ”میٹافزکس“ کا کئی بار مطالعہ کیا مگر اس کو سمجھنے میں انہیں دِقت ہوئی، ان کے ہاتھ الفارابی کی کتاب جو مابعد الطبیعات پر فی الحقیقت تفسیر تھی لگ گئی جس کے مطالعہ کے بعد اس مضمون پر بھی عبور حاصل کیا، سن رسیدگی میں انہوں نے اپنے ہر دلعزیز شاگرد الجرجانی سے ذکر کیا تھا کہ اٹھارہ سال کی عمر کے بعد انہوں نے کچھ بھی نیا نہ سیکھا۔

علم طب پر مکمل دسترس ہونے کے بعد حکمران وقت ان کا مرید تھا، شاہی محل کی لائبریری کے دروازے ان کیلئے ہر وقت کھلے رہتے تھے، وسطی ایشیا میں سیاسی حالات اس وقت ایسے تھے کہ محمود غزنوی کی حکومت نے بوعلی سینا کے صوبے میں لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی، لہٰذا بوعلی سینا بخارا سے ہجرت کر کے کچھ عرصے کیلئے جرجانیہ میں قیام پذیر ہو گئے، زندگی کے یہ ایام ان کیلئے بہت عسرت کے تھے۔

1012ء میں وہ ریگستان پیدل عبور کر کے خراسان پہنچے، اس اذیت ناک سفر میں ان کے بہت سے ساتھی لقمہ اجل بن گئے، جرجان کے شہر میں ایک نامی گرامی شخص قبوس ابن وش مگھیر علماء کا بہت سرپرست تھا، بوعلی سینا اس اُمید پر آئے تھے کہ اس کے زیر سایہ کچھ عرصہ گزر جائے مگر وائے افسوس کہ علماء کا یہ کفیل دُنیا سے کوچ کر گیا تھا۔

وہاں سے مایوس وناامید ہو کر بوعلی سینا 1014ء میں رائے (تہران) شہر چلے گئے، ان کی صحت خراب ہو گئی، یہاں دو سال قیام کیا ان دنوں وہاں بویدخاندان حکمران تھا، ابن سینا نے حکمران فخر الدولہ کے دربار میں چند سال گزارے مگر جلد ہی ہمدان واپس چلے گئے جہاں شمس الدولہ حکمران تھا، جب وہ یہاں وارد ہوئے تو کچھ روز بعد شمس الدولہ بیمار ہو گیا اور بوعلی سینا کے علاج سے شفایاب ہوا، یوں دربار مں ے ابن سینا کی بہت پذیرائی ہوئی اور انہیں وزیر بنا دیا گیا، وزارت کا بھاری عہدہ آپ کے کندھوں پر کئی سال رہا، جب حکمران وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا تو ابن سینا وزارت سے دستبردار ہو گئے جس پر انہیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، آخر ایک درویش کے لباس میں فرار ہو گئے۔

ہمدان سے فرار ہو کر اصفہان پہنچے جو ان دنوں علم وحکمت کا مرکز تھا، یہاں کا سربراہ مملکت علاء الدولہ تھا جس سے خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے، ابن سینا نے یہاں امن وسکون میں پندرہ سال گزارے، اس عرصے میں بہت سی معرکۃ الآراء کتابیں تحریر کیں، علم ہیئت کا مطالعہ کیا اور ایک رصدگاہ کی تعمیر کا پلان تیار کیا مگر مسعود غزنوی کے اصفہان پر حملہ سے یہ پلان اور بہت ساری کتابیں صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئیں، بوعلی سینا کو سخت قلق تھا اور ان پر قولنج کا حملہ ہوا، وہ ہمدان واپس تشریف لے گئے جہاں 1034ء میں وہ دارِ فانی سے کوچ کر گئے، ان کی آخری آرام گاہ مقبرے کی صورت میں ہمدان میں موجود ہے۔

بوعلی سینا زندگی میں بہت سارے شہزادوں اور سربراہانِ مملکت کے ذاتی معالج رہے، زندگی میں بہت نشیب وفراز آئے، خوشی کے دن بھی دیکھے اور رنج وملال کے بھی۔ بعض اوقات امارت کا تو یہ حال تھا کہ حکومت کا تمام انتظام وانصرام ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرح حکمرانی بھی کی۔ اس مصروفیت کے باوجود جو وقت ملا وہ علمی وفنی کاوشوں میں گزارا۔

مذہب کے موضوع پر بہت خاص عنوانات پر قلم اُٹھایا، جن میں قسمت اور فری دل قابل ذکر ہیں، انہوں نے قرآن کریم کی بہت ساری سورتوں کی تفسیر بھی لکھی جن میں علم اور الہام میں مطابقت ثابت کرنے کی کوشش کی، اس کی بنیاد اس سے پہلے الکندی اور الفارابی رکھ چکے تھے۔

الکندی کی طرح ابن سینا بھی فری تھنکر تھے۔ آپ عقل کی فوقیت پر یقین رکھتے تھے، ہمدان میں جب وزیر تھے تو ایک مذہبی مسئلے پر فوج کے افسر سے تنازعہ ہو گیا اور افسر نے ابن سینا کے خلاف موت کا فیصلہ سنا دیا، جب فوجی ان کو گرفتار کرنے آئے تو وہ راہِ فرار اختیار کر چکے تھے، فوجی برافروختہ ہوئے اور بادشاہ کو ان کا سر کاٹنے کی سزا دینے پر مجبور کیا، گرفتاری کی اطلاع ملنے پر ابن سینا ایک رفیق ابوسعید وفدق کے گھر چھپ گئے اور اپنے Magnumopus علم طب کی شاہکار کتاب القانون لکھنے میں مصروف ہو گئے۔

ان کی کتابیں ضبط کر لی گئیں، علماء وقت ان کے سخت خلاف تھے، چونکہ انہوں نے ارسطو کے فلاسفی کی اشاعت کا پرجوش کام کیا تھا، اسلئے امام غزالی نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔

بوعلی سینا جس طرح فلسفے کے میدان کے شہسوار تھے، اسی طرح وہ علم طب اور سائنس کے بھی ماہر تھے، مغربی دُنیا ان کا بطور طبیب لوہا مانتی ہے، ان کی تصویر یورپ کے گرجا گھروں کی دیواروں پر بطور پرنس آف فزیشن صدیوں آویزاں رہی۔ اطالوی ادیب ڈانٹے نے اُنھیں بقراط اور گیلن جیسا عظیم طبیب مانا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، ان کی کتاب ”القانون“ اور ”الشفاء“ میڈیسن کا لازوال انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ”الشفاء“ میں انہوں نے فلاسفی اور ریاضی کے علوم کے علاوہ باٹنی، جیالوجی، زوآلوجی، سائیکالوجی، جیومیٹری، اسٹرانومی اور موسیقی کے علوم پر اپنے مشاہدات تجربات اور خیالات کا خزانہ پیش کیا ہے۔

القانون فی الطب روم میں پانچ جلدوں میں 1593ء میں عربی میں شائع ہوئی، یہ کتاب سترھویں صدی تک تمام فرانسیسی اور اطالوی یونیورسٹیوں میں میڈیکل ٹیکسٹ بک تھی۔ پندرھویں صدی میں یہ کتاب لاطینی زبان میں پندرہ مرتبہ شائع ہوئی اور عبرانی میں ایک مرتبہ۔ اٹھارہویں صدی میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے، انیسویں صدی میں Lier Montpel کی یونیورسٹی آف میڈیسن میں اس پر لیکچر دیے جاتے تھے۔

ابن سینا کی تھیوریز کا مغرب کے مشہور برطانوی سائنسی مصنف او رفلاسفر راجر بیکن کی تحریروں پر زبردست اثر تھا۔ وی آنا کی یونیورسٹی میں 1520ء میں اور فرانکفرٹ کی یونیورسٹی میں 1588ء میں میڈیسن کا تعلیمی نصاب ابن سینا اور زکریا الرازی کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ الرازی کی ”الحوی“ علم طب کی کتاب میں بیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ یہ بھی ایک شاہکار کتاب ہے۔ اسکا لاطینی ترجمہ Continens کے عنوان سے 1279ء میں شائع ہوا۔ ابن سینا کی دوسری کتاب ”الشفاء“ "Art of Healing" کا اثر بھی مغربی مصنفین اور اسکالرز پر بہت تھا، یہ کتاب ان کے Genius ہونے کا مسلّم ثبوت ہے۔ نیچرل ہسٹری پر انہوں نے بہت لکھا، ان کے مضامین تین موضوعات پر ملتے ہیں۔ جانوروں کی دنیا، پودوں کی دُنیا اور معدنیات کی دنیا۔ الشفاء کا معدنیات کا باب بہت دلچسپ ہے۔ ایک مغربی اسکالر Arfred Sareshel نے اسکا لاطینی میں